انوکھے سخی

کھ مولانا محمد ادریس السلفی

اسلام نے جس قدر سخاوت کی تعریف و ستائش کی ہے اس سے کئی گنا زیادہ سوال کرنے کی مذمت بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ ﷺ کے تربیت یافتگان گھوڑے سے اتر کر چھڑی پکڑ لیتے مگر پاس کھڑے ساتھی سے پکڑانے کا سوال کرنا بھی گوارا نہ کرتے۔

حکیم العرب اکثم بن صیفی رضی اللہ عنہ کے بقول "السئوال و ان قل اثمن من النوال و ان جل" "عطیہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، حقیر سے حقیر سوال اس سے گراں تر ہے۔"

سوال کرنے میں اگر یہی ذلت ہو جو انسان اس بارے میں اپنے افکار و خیالات یا چہرہ مہرہ کو تنزل میں لاتا ہے تو بھی عاقل کو اگر اجتناب ممکن ہو سوال سے بچنے میں عافیت ہے۔ کیونکہ آزادی فکر اور عزت نفس کیلئے "مالیس عندک" میں عدم طمع از حد ضروری ہے۔ اپنے نفس پر زیادتی و مشقت برداشت کرنا اس سوال سے کئی گنا اچھا ہے جس کے حصول یا عدم حصول کا یقین نہیں ہوتا۔ ارشاد گرامی ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یحتطب احدکم حزمۃ علی ظہورہ خیر من ان یسال احدا فیعطیہ او یمنعہ۔ (بخاری کتاب البیوع باب ۱۵)

کسی سے سوال کرنے کی بجائے پیٹھ پر (لکڑیوں کا) گٹھا اٹھانا (بیچنے کیلئے) بہتر ہے کہ وہ سوال کرے (جس سے سوال کیا گیا ہے) ہو سکتا ہے وہ دے یا انکار کرے۔

نفس پر جو بوجھ بھی رکھ دیں یہ اس کا عادی ہو جاتا ہے اور پھر صبر کا انجام اچھا ہوتا ہے مال اور تونگری کی معدومی آزاد اور شریف کیلئے کوئی باعث عار نہیں، جیسا کہ آزمائش کا آنا کوئی قباحت نہیں۔ باعث ندامت تو یہ ہے کہ عزت نفس جاتی رہے جس کا نتیجہ انسان کی ذہانت و

فطانت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اگر انسان ہاتھوں سے کسب معیشت کرے حتیٰ کہ اس کے ہاتھوں کا پانی خشک ہو جائے یہ اس چہرے کے پانی اور رونق کے ختم ہونے سے ہزار گنا اچھا ہے جو سوال کرنے سے قبل ہی انسان کو وجاہت سے محروم کر دیتا ہے اور پھر جب انسان سوال کرنے کا پیشہ اختیار کر لے تو یہ آخری کسب واقع ہوتا ہے جس کے بعد ہاتھ سے کمانا بھول جاتا ہے۔

معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے دست سوال دراز کرنے سے بارہا اجتناب کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ اس سے انسان کی انسانیت پر حرف آتا ہے اور اگر بصورت مجبوری ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے تو ایسی حالت میں فرمایا

"ان الفراسی رضی اللہ عنہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسال؟ قال النبی صل اللہ علیہ وسلم' لا وان کنت سائلا لابد ! فاسال الصالحین "(مسند امام احمد ۴/ ۳۳۴)

حضرت فراسی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ میں مانگ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ ہاں! اگر تجھے ضرور بالضرور سوال کرنا ہو تو نیک و صالح لوگوں سے سوال کرو۔"

بایں ہمہ امت مسلمہ دست نیاز دراز کیے ہوئے ہے اور وہ بھی ایسی نسل سے جو جس کے افکار و نظریات اور آباء و اجداد سے پردہ کشائی کی جائے تو آپ دنگ رہ جائیں گے کہ ان سے بھی سخاوت کا امکان ہے۔ اس کیلئے صرف دو مثالیں نظریاتی اور عملی پیش خدمت ہیں۔ جس سے ان کی انسانیت کش فکر و سوچ سے آگاہی اور مستقبل میں ارادے عیاں ہونے میں مدد مل سکے گی۔ چنانچہ یہود کی مذہبی (تحریف شدہ) کتاب تلمود کی تعلیمات ملاحظہ ہوں۔

"یہودی کو غیر یہودی پر مہربانی اور رحمت کرنا حرام ہے کیونکہ وہ یہود اور اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ ہاں ان سے مطلب براری اور ان کے نقصان سے بچنے کیلئے تقیہ سے کام لیا جا سکتا

ہے۔ ہر وہ نیکی جو غیر یہودی کیساتھ کی جائے وہ گناہ شمار ہوتی ہے اور ہر وہ برائی جو غیر یہودی کیساتھ کی جائے۔ تقرب الی اللہ اور ثواب کا باعث ہے۔ زمین پر ہر چیز یہود کی ملکیت ہے غیر یہود کے اموال غصب شدہ اموال کی صورت ہیں جسے ہر صورت واپس لینا یہود کا فرض ہے۔ یہودی اپنوں کی چوری کرے تو ناجائز مگر غیر یہودی کی چوری' ڈاکہ جائز ہی نہیں بلکہ واجب شرعی ہے"۔ ان تعلیمات کی عملی صورت پر دلالت کرنے والا صرف ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

واقعہ یوں ہوا کہ ایک انصاری بچی زیورات زیب تن کیے بازار میں سودا سلف لینے آئی۔ اس معصوم جان کے زیورات پر خدا تعالٰی کی جانب سے "مغضوب علیہم" قوم کے ایک فرد کی نگاہ پڑتی ہے اسے شیطان نے حصول زیور کیلئے اس کی جان لینا خوبصورت کر کے دکھایا' چنانچہ اس نے بڑی بے دردی سے معصوم جان کو دو بھاری پتھروں سے سر کچل کر ختم کرنے کی حتی المقدور کوشش کر ڈالی اپنے خیال میں اسے قتل کر کے زیورات اتار لیے لیکن اللہ جل شانہ کی شان کہ بچی میں ابھی کچھ جان تھی کہ دربار نبوی علی صاحبھا الصلوۃ والسلام میں حاضر کر دی گئی اور اس نے اشارہ سے اپنے سفاک قاتل کی خبر دے دی۔

یہ وہ بدترین گروہ ہے جسے قبل از اسلام بھی ہر حکومت نے منتشر کرنے اور مل نہ بیٹھ دینے میں ہی عافیت خیال کی۔ تا آنکہ ہماری سیاہ کاریوں کی سزا کے طور پر خدائے یکتا و قہار نے ہمارے درمیان جمع کر کے "ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون" (اور البتہ چکھائیں گے ہم ان کو تھوڑا عذاب ورے اس بڑے عذاب سے تاکہ وہ پھر آئیں) کا قانون فطرت دہرایا ہے۔

یہ وہ نسل ہے جس کے اکابرین نے براعظم امریکہ دریافت ہونے پر وہاں کے اصلی باشندوں کی نسلی تطہیر کا مکروہ کارنامہ انجام دیا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ موجودہ امریکہ کے اصلی باشندوں میں سے سوائے چند کے (جنہیں "سرخ انڈین" کہا جاتا ہے) کوئی اس آپریشن سے بچ

نہ سکا۔ یہ ہے وہ قوم جس سے دوستی اور امید سخاوت ہم لگائے بیٹے ہیں بقول شاعر۔

کفی بک داء ان تری الموت شافیا

تجھے یہی بیماری کافی ہے کہ تو موت کو شافی خیال کرنے لگا ہے۔

اتنے عیار دوست سے امید وفا رکھنا بلکہ دوستی لگانا ہی اپنی جگہ ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔

آیئے ذرا ماضی کے دریچوں سے اپنے "معتمد" دوست کے نشان وفا سے محظوظ ہوں۔ ۱۹۷۱ء کی پاک و ہند جنگ کا صدمہ ذہن سے خرچے نہیں اترتا تو ان ایام کو ذرا جھانک کر دیکھو جب جنگی بحری بیڑا حرکت میں آتے آتے اور ہمیں دوست کی امداد پہنچتے پہنچتے دشمن آدھا گھر لوٹ گیا اور ہمیں اپنا بقیہ گھر سنبھالنے کیلئے دوست کا دست نگر ہونا پڑا تو عدم اسلامائزیشن فوج میں کمی اور جوہری توانائی سے دست برداری جیسی گراں شرائط کا چارٹر موصول ہوگیا۔

پاکستانی تاریخ میں واحد مخلص کارکن، ملک کا باوفا رکھوالا، اپنوں اور غیروں کے مکروہ عزائم کیلئے سد راہ، وہ جسے تاریخ روس کے بکھرنے کی انمٹ کہانی کے ہر لفظ میں موجود پائیگی۔ وہ چاند جس پر تھوکنے والوں کا دامن اتنا سیاہ ہے کہ اپنے اور غیر انہیں غدار ابن غدار، ننگ دین وملت قرار دے چکے ہیں، وہ جسے تاریخ صلاح الدین ایوبی کا عکس پیش کرنا چاہتی تھی لیکن اپنوں اور ان دوست نما اغیار کی سازشوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ ہمارے "دوست" نے اپنے ملک کی نمائندگی کرنیوالے سفیر کا قصہ مجہول رکھنا برداشت کرتے ہوئے اپنا تفتیشی وفد روک دیا۔ کیا یہ سخاوت اس حاتم طائی سے کم ہے جس نے مہمانوں کیلئے اپنے گھوڑے پیش کر دیئے تھے۔

یہ سارا کھیل ہمیں ایسی قیادت فراہم کرنے کیلئے رستہ ہموار کرنے کیلئے تھا جو باعزت طور پر پستی اختیار کرنے اور بن بلائے مہمان کی طرح طفیلی بن کر آستانہ پر حاضری کو خفت، بے عزتی خیال ہی نہ کرے اور مستقبل میں امیدوں کے سہارے زندہ رہے۔ بقول شاعر۔

کبھی تو لائے گی باد صبا پیام ان کا

ہوا کے رخ جو نشیمن بنائے بیٹھے ہیں

یہ آثار وفا ہیں ان دوستوں کے جو حق دوستی چکانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

اب ایک تازہ ترین نوازش پر سرسری نگاہ ڈالتے ہیں جس کو اپنوں اور بیگانوں نے بڑا سراہا ہے اور وہ ہے دربدر پھرنے والے' خیموں میں بے بسی کی زندگی گزارنے والے اھل فلسطین پر نوازش۔

اہل زمانہ جانتے ہیں کہ کس نے کس طرح حکومت در حکومت کے جال بن کر اہل فلسطین کو اپنی مادر وطنی سے بے دخل کیا تھا جس کی کئی نسلیں کھلے آسمان تلے پیدا ہوئیں اور کئی بے بسی میں چلتی بنیں۔ آج ان پر عالمی خیرات بانٹنے والے نوازشات کی بارش کر رہے ہیں۔ جسے غزہ اریحامیں آزاد فلسطینی حکومت کا نام دیا گیا ہے۔

مفادات کی بناء پر چشم پوشی کرنے والوں کے علاوہ بلا استثناء مفکرین جان چکے ہیں کہ عالمی دہشت گردی کے مہذب ٹھیکیداروں نے اس معاہدہ میں جس کیلئے بے شمار خفیہ اجلاس ہوئے اور اہل فلسطین کے قریبی دوست بھی اس معاہدے کے وقوع سے قبل واقف نہ ہو سکے' اہل جودوسخا نے نئے جالوں سے شکار کیا ہے۔

اس ضمن میں دو چیزوں کا ذکر عام کیا جاتا ہے۔ "اول" اسرائیل کا بمع اہل یورپ تنظیم کا سیاسی وجود تسلیم کرنا (یہیں سے اہل تنظیم کی گھٹیا سوچ اور ان کا اپنے تئیں بے وقعت ہونا سمجھا جاسکتا ہے جو تنظیم اغیار کا تسلیم کرنا ہی غنیمت سمجھے اور ان کی اس کرم نوازی کو اپنا کل متاع خیال کرے۔ اس کا حدود اربعہ جاننے میں کیا کچھ فائدے ہیں ؟؟)

دوم :۔۔ معاہدہ کی اصل و بنیادی چیز وہ حکومت ہے جو چیئرمین یاسر عرفات کو نصیب ہوئی۔ یاد رہے کہ یہ سارا علاقہ جس مقام پر اسرائیلی حکومت کا وجود نامسعود ہے اس قطعۂ ارضی کا ایک ایک انچ ان خیمہ بستیوں میں رہنے والے فلسطینیوں کا حق ملکیتی ہے جنہیں آج مہذب دنیا بھاری بھر کم شروط سے مشروط ایک حقیر و بے وقعت ٹکڑا عطا کر کے اہل دنیا کے سامنے اپنی جود

دستاویز امن پسندی کیلئے بطور مثال پیش کرنا چاہتی ہے۔ آیئے اختصار کے ساتھ اس نوازش کا مطالعہ کریں جس کا ماحصل یہ ہے۔

غزہ اریحا کا علاقہ تنظیم آزادی فلسطین کی ذاتی حکومت کے تصرف میں دیا جاتا ہے جہاں اسے حکومت کرنے کا مکمل اختیار ہے جبکہ امور خارجہ اور دفاع کا حق بدستور مرکزی حکومت اسرائیل کو حاصل ہوگا۔ تنظیم اپنا کوئی سفارت خانہ بیرونی ممالک میں قائم نہیں کر سکتی اور نہ اس کی اپنی حکومت میں کوئی بیرونی سفارت خانہ قائم کیا جاسکے گا۔ ہاں فلسطینی امور خارجہ کے متعلقات اسرائیلی سفارت خانہ میں ملازمت اختیار کر کے نمٹا سکتے ہیں۔ فلسطینی حکومت اپنی کرنسی یا پاسپورٹ جاری کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔ وغیرہ۔

ایسی قیود کے ہوتے ہوئے اہل فلسطین اس میں کیا مفادات حاصل کرتے ہیں اس کا اصل اندازہ تو مستقبل بتائے گا لیکن اس سے حکومت اسرائیل نے کیا کھویا کیا پایا؟

غزہ اور اریحا ایسے علاقے ہیں جن پر حکومت اسرائیل کا تسلط تو ہے لیکن عملاً یہ اہل فلسطین کی جہادی تنظیم "حماس" اور "انتفاضہ" کے قبضہ میں ہے۔ جنہوں نے حالیہ سالوں میں حکومت اسرائیل کو جانی، مالی اور دفاعی لحاظ سے کافی حد تک نقصان پہنچایا ہے اور بیشمار مشکلات پیدا کر رکھی ہیں جس پر نگر نگر سے جمع ہونیوالے یہود جان و مال کی تلفی اور ہر وقت خوف و ہراس کی فضا سے تنگ آکر شکایات کرتے رہتے تھے، اب اس سیلاب کے سامنے صیہونیوں نے بند باندھ دیا ہے کہ "حکومت فلسطین غزہ و اریحا میں یہودی تحفظات کا خیال رکھے گی اور اس جانب واقع یہودی بستیوں کے ہر نقصان کی تلافی اور ذمہ داری اس پر ہوگی۔" یہ ایسے حقائق ہیں جو کوئی راز نہیں رہے چنانچہ صیہونی حکومت سے جب ایک یہودی آبادکار نے اس معاہدہ کے متعلق اعتراض پیش کیا تو جواب ملا۔ "غزہ اور اریحا کی صفائی و نظافت اگر اہل فلسطین خود کریں تو تمہیں اس میں کیا نقصان ہے۔" دوسرے لفظوں میں جب زمام حکومت یہود کے ہاتھ ہے تو سسکتے ہوئے فلسطینیوں سے نظافت کا کام لینے میں قباحت ہی کیا ہے۔ بالکل

اسی طرح جیسا کہ فرعون اپنی حکومت میں بنو اسرائیل کو کام میں لاتا تھا۔ " تلک الایام نداولھا بین الناس "

ایک اسرائیل عہدیدار سے جب فرانسیسی اخبار نویس نے اس معاہدہ کے متعلق استفسار کیا تو اس نے کہا "اسرائیل حکومت کتنی مدت سے غزہ کی پٹی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ ایسا ٹکڑا جو حکومت کرنے کے قطعاً قابل نہیں ہے" یہ ہے وہ چند میٹر زمین جس سے برائے نام پسپائی اختیار کر کے صیہونیوں نے جناب یاسر عرفات کو نوازا ہے۔

عالمی خیرات بانٹنے والوں کی تازہ نوازش کے مستحق اہل بوسنیا بھی ٹھہرے ہیں۔ ایک دولت مند اور عزت نفس سے آشنا معاشرہ کس کس طرح عالمی گداگروں کی لسٹ میں شامل کیا گیا یا شامل ہونے کے لائق بنایا گیا۔ اس کی داستان بڑی ہی درد انگیز اور "فاعتبروا یا اولی الابصار" کی آئینہ دار ہے۔

چنانچہ اہل بوسنیا پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ معیشت تباہ کرنے کے جمیع اسباب مہیا کیے گئے اور بنوارے کا مل بیٹھ کر پلان بنایا گیا لیکن بقول شاعر.....

جب لگے مرنے تو جینے کی دعا دینے لگے

اب دشمن کے ہاتھ میں کوڑا دیا "دوست" کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے اور مرہم پٹی ہاتھ میں لئے حق دوستی چکانے حاضر خدمت ہیں۔ زمینی راستے مسدود ہیں تو فضائی طریقوں سے ضروریات زندگی مہیا کی جانے لگی ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ یکطرفہ پابندیاں لگا کر یہ حالات کس نے پیدا کیے۔ لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہر طرف اسلحہ کی فراوانی مزید خون خرابہ اور قتل و غارت کا باعث بن سکتی تھی اور ایک فریق کی بجائے دونوں کا نقصان ہونا یقیناً زیادہ تکلیف دہ ہے اور پھر بات یہ ہے کہ اگر صورت مقابلہ کی ہوتی تو کون شواہد کی روشنی میں بتا سکتا تھا کہ امریکہ اور یورپ عالم اسلام کا ازلی دوست ہے جس نے اہل بوسنیا کو غذا اور دوسری ضروریات سے نوازا ہے اور بے پناہوں کو پناہ دی اور سخاوت کے لیے اپنے در کھول دیئے۔

عام لوگ اس دوہرے کردار پر دنگ ہیں جبکہ یہ بات ذرا تعجب خیز نہیں ہے کیونکہ بچھو ہمیشہ دشمنی کی بناء پر ڈنک نہیں لگاتا بلکہ اپنی عادت فطرتاً بھی ادا کرجاتا ہے۔ ہمارے دوست کو حق دوستی ادا کرنے کیلئے خواہ کتنے ہی پاپڑ بیلنے پڑیں وہ اکتاتا نہیں ہے۔

اسلامی ممالک بلکہ اس کے بیشتر امداد یافتہ ممالک میں اس کا اثر اتنا وسیع اور عام ہے کہ بجٹ اور ٹیکس کا معاملہ' وزارتوں کے قلم دان ہوں یا حکومتوں کی تشکیل سب ہدایات واشنگٹن سے آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہود کی امداد ان کے قومی مقاصد سے جدا کر کے اسلام دشمنی سے الگ تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات سوچنا کہ امریکہ پسماندہ ملکوں لیئے ڈالروں کی تھیلیاں انسانی ہمدردی کے پیش نظر لے کر نکلا پڑا ہے ان کی فطرت کے بدلنے اور جدی پیشہ سے روگردانی سے مترادف ہے۔

اہل اسلام خاص طور پر اہل پاکستان سے بحوالہ غیرت انسانیت و آزادی گذارش ہے کہ اب اگر کچھ نمادوستوں سے امید وفا ختم کرکے اپنے کشکول کو یہ کہتے ہوئے توڑ ڈالو کہ

اچھا کیا دوست تو نے سہارا نہ دیا
مجھے لغزش کی ضرورت تھی سنبھلنے کیلئے